

فلسفہ روزہ

مولانا ارشد جمال

الاسلام مشن
بنارس، یوپی

جملہ حقوق محفوظ

Falsafa-e-rooza

by

**Maulana Arshad jamal.
D.43/107,Bazar Sadanand.
varanasi.u.p.(india)221001
9307324317**

First Published: November- 2004



اللہ تعالیٰ کی بہت ساری مخلوقیں ہیں۔ ان میں سے ایک مخلوق ایسی ہے جس کے اندر
بہمی صفات [حیوانی صفات] رکھی گئی ہیں۔ اور ایک مخلوق ایسی ہے جسے ملکی صفات [فرشتوں والی
صفات] سے نوازا گیا ہے۔ یہی صفات رکھنے والی مخلوق کو ”انسان“ کہتے ہیں۔ اور ملکی صفات
رکھنے والی مخلوق کو ”فرشتہ“ بولتے ہیں۔ انسان اصل میں حیوان ہے۔ اور بحیثیت حیوان اس کے
اندر تین مطالبے پائے جاتے ہیں:-

- غذا کا مطالبہ
- جنسی آسودگی کا مطالبہ
- آرام کا مطالبہ

انسان کے اندر پائے جانے والے یہ تینوں مطالبے جب اپنی حد سے آگے بڑھ
جاتے ہیں تو وہ اپنی خُبُو کے لحاظ سے ذرا حیوان ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی کا حاصل کھانا پینا،
گھومنا پھرنا اور عیش کرنا ہوتا ہے۔ اس میں اور ایک جانور میں تھوڑا سا فرق رہ جاتا ہے۔ اور جب
یہ مطالبے اپنی حدود میں ہوتے ہیں اور انسان ان مطالبوں سے بیزار ہونے لگتا ہے تو دھیرے
دھیرے اس کے اندر ملکی صفات کی کرنیں پھوٹ پڑتی ہیں، بزرگی کے آثار نمایاں ہونے لگتے
ہیں، روحانیت کے درپے کھل جاتے ہیں اور ولایت کی راہیں کشادہ ہو جاتی ہیں۔

اسلام کی پوری تعلیم، مذہب کا سارا نظام اور دین کا ہر قانون اسی محور پر گردش کرتا ہے
کہ انسان کے اندر پائے جانے والے تینوں حیوانی مطالبوں کو کنٹرول میں رکھا جائے۔ مذہب کی
اس تحریک کا دوطریقہ کار ہے:-

- ایک افہام و تفہیم اور تعلیم و تربیت
- دوسرا کردار اور عمل

افہام و تفہیم اور تعلیم و تربیت سے مذکورہ مطالبوں کی صحیح نوعیت سمجھ میں آتی ہے کہ ان مطالبوں کی حد کہاں سے کہاں تک ہے؟ اور ان مطالبوں سے بیزاری کب اور کیسے پیدا ہوتی ہے؟ کردار سازی اور عمل کی پابندی سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ مذکورہ مطالبوں کی حد میں رہنے سے کیا فائدہ ہوا؟ اور ان سے بیزار ہو کر کون سی منزل پر آئے؟

ان دونوں طریقہ کار میں کردار اور عمل کا طریقہ اصل اور مؤثر ہے۔ مذہب اپنے اس طریقہ کار کو ایک انسان پر وقتاً فوقتاً آزما رہتا ہے اور الگ الگ طور پر کسی نہ کسی مطالبہ کی حد میں لا کر اُسے کھڑا کر دیتا ہے لیکن خدا نے اپنے بندوں کے لئے ایک ایسا جامع نظام بھی بنادیا ہے جس کی رعایت سے ایک بندہ کو تینوں مطالبوں کی حدوں میں رہنے کا حسین موقع فراہم ہو جاتا ہے اور وہ ہے رمضان کا مبارک و مسعود مہینہ اور اس کے روزے۔

غذا کا مطالبہ

عام دنوں میں انسان آزاد ہوتا ہے کہ جب جی چاہے کھائے اور جیسی طبیعت کرے پئے۔ اسی آزادی سے انسان کے اندر چھپا ہوا غذا کا حیوانی مطالبہ اپنا سر اُبھار لیتا ہے اور پھر انسان خورد و نوش کا زیادہ سے زیادہ انتظام کرتا ہے اور اس کے لئے پُر تکلف اہتمام میں مصروف رہتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے اس مطالبہ کی حد سے تجاوز کرنے لگتا ہے۔ جہاں وہ حد سے آگے بڑھا نفس اس پر حاوی ہو جاتا ہے، پھر وہ اسی کے کہے پر چلتا ہے، اسی کا حکم مانتا ہے اور اسی کی جی حضوری میں لگا رہتا ہے۔ نفس و رغلا تا ہے کہ خنزیر کا گوشت کھاؤ، بڑا لذیذ اور مقوی ہوتا ہے۔ انسان آنکھ بند کر کے حرام کھانا شروع کر دیتا ہے۔ نفس بہلاتا ہے کہ شراب پیو، بڑا کیف و سرور حاصل ہوگا۔ انسان شراب کے ناپاک قطرے اپنے پیٹ میں اُتار لیتا ہے۔ جب انسان کو بسیار خوری، شکم پروری اور خوش ذائقہ غذاؤں کی کُت پڑ جاتی ہے تو وہ اس کے لئے چوری، ڈکیتی اور لوٹ مار پر بھی اتر آتا ہے۔ کون نہیں جانتا؟ کہ آج کے سارے گورکھ دھندے اسی پیٹ کے لئے ہو رہے ہیں۔ اور سارا معاشی و معاشرتی فساد اسی خواہش کی وجہ سے پُچ رہا ہے۔

اسی لئے پُر تکلف اور مرغن غذاؤں کی عادت ڈالنے سے ممانعت آئی ہے۔ سیدنا امام

غزالی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:
 ”حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

”میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے عیش و عشرت کے ماحول میں پرورش پائی اور خوب موٹے تازے ہوئے، قسم قسم کے (خوش ذائقہ) کھانے اور طرح طرح کے لباس پہننے میں لگے رہے اور ٹھٹھا بازی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی ”یاد رکھ! کہ تو قبر میں آنے والا ہے، کیوں کہ یہ بات تجھے زیادہ خواہشوں سے روکے گی۔“

سلف صالحین طرح طرح کے لذیذ کھانوں سے اور اپنے نفس کو ان کا عادی بنانے سے بہت ہی ڈرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ کسی انسان کے بد بخت ہونے کی علامت ہے۔“

[احیاء العلوم: ۳۸۹]

امام غزالی کی پیش کردہ حدیث کے صحت و ضعف سے قطع نظر کرتے ہوئے مختلف حدیثوں کی روشنی میں محدثین کرام اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:
 ”حدیثوں میں (لذیذ کھانوں کی) عادت ڈالنے کو مکروہ بتایا گیا ہے، کیوں کہ یہ دل کو سخت بناتی ہے اور محتاجوں کے حال کو فراموش کراتی ہے۔“
 [مرقاۃ المفاتیح: ۴۲۹۴]

روزہ اسی آزاد ریش کو توڑتا ہے اور انسان کو پابند کر دیتا ہے کہ وہ کھانے پینے میں اپنی مرضی کا مالک نہیں ہے، بلکہ خدا کے حکم سے کھائے پئے اور جب اس کا حکم نہ ہو تو دن بھر بھوکا پیاسا رہے۔ روزہ کی اسی بھوک پیاس سے انسان کو ”ضبط نفس“ کا درس ملتا ہے کہ آئندہ زندگی میں بھی کھانے پینے کے معاملات میں وہ خود مختار نہ رہے۔ بلکہ ہمیشہ خدا کے حکم کی بجا آوری کا ایک مستقل مزاج بنالے۔ جب یہ مزاج بن جائے گا تو پھر انسان کبھی غذا کے مطالبہ کی حد سے باہر نہ نکلے گا۔ زبردست بھوک پیاس کے وقت بھی اس کی قوت برداشت اسے حد سے تجاوز کرنے نہ

دے گی۔

جس شخص کو شکم پروری کی عادت پڑ جاتی ہے اس کے اندر کئی بیماریاں سرایت کر آتی ہیں:-
ایک..... تو اسے صرف اپنے کھانے کی ہوس ہوگی، دوسروں کو کھلانے کا جذبہ مرجائے گا۔
دوسرے..... کھلانے کا جذبہ باقی بھی رہا تو اتنا کمزور ہوگا کہ خود تو خوش ذائقہ کھائے گا
اور دوسروں کو معمولی کھانے کھلائے گا۔

تیسرے..... ناجائز کھانے نہ ملنے پر ناجائز کی طرف ہاتھ بڑھائے گا۔
چوتھے..... ناجائز کے حصول میں اگر اسے چوری، ڈکیتی اور لوٹ مار کرنا پڑے تو وہ
اس سے بھی دریغ نہ کرے گا۔

جب کہ روزہ کی بھوک پیاس ہمیں احساس دلاتی ہے کہ بھوکوں اور پیاسوں پر کیا گذرتی
ہوگی؟ اس احساس کے بیدار ہوتے ہی ان کے لئے دل میں نرم گوشے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے
بعد جب بھی وہ روزہ دار خوش ذائقہ کھانے کھائے گا اسے فقیروں اور محتاجوں کا بھی خیال آئے گا
اور یہ ایمان کی ایک اچھی علامت ہے۔ اسی لئے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ
ارشاد فرماتے ہیں:

”جب تو نے اپنے نفس کے لئے مزیدار کھانے، عمدہ کپڑے،
اچھے مکان، حسین صورتیں اور مالداری کو پسند کیا اور اپنے مسلمان
بھائی کے لئے اس کے علاوہ چیزوں کو پسند کیا تو تو اپنے کمال ایمان
کے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔“ [الفتح الربانی: ۱۲۱]

شکم پروری کی عادت ٹوٹ کر بکھر جائے گی تو آدمی ہمیشہ جائز کھانوں پر اکتفا کرے گا۔
ناجائز کی طرف ایک آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا اور جب اُسے جائز سے محبت ہو جائے گی تو ایک
غذا کا ہی معاملہ کیا؟ وہ ہر ناجائز اور غلط کاموں سے گریز اختیار کرے گا۔

اصل میں روزہ دلوں کے اندر اس احساس کو گرم کر دیتا ہے کہ اب اس کی زندگی کا ایک
ایک لمحہ خدا کی مرضی پر موقوف ہے۔ جب خدا کی مرضی کا احترام اور اس کے حکم کی پاسداری
کرنے کا جذبہ بیدار ہو جائے گا تو وہ لوٹ مار، فتنہ فساد، جھوٹ بیچ غرضیکہ ہر اس عمل سے پرہیز

کرے گا جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو اور جس سے اس کے حکم کی پاسداری کا خون ہوتا ہو۔
 دیکھنے میں تو روزہ بھوک، پیاس اور جماع کی حد بندی سمجھ میں آتا ہے مگر یہ وہ سمندر
 ہے جس کی گہرائی میں ایسے ایسے لعل و گہر موجود ہیں جو صرف ایک ماہر پیراک کے ہاتھ ہی لگ
 سکتے ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف بخاری کی یہ روایت بھی اشارہ کرتی ہے کہ:
 ”جس نے جھوٹ بولنے اور جھوٹا عمل اختیار کرنے سے
 پرہیز نہ کیا تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ (روزہ دار) اپنا
 کھانا پینا ترک کر دے۔“ [بخاری: ۲۰۳۱]

ظاہر ہے کہ جب روزہ دار نے غذا کے مطالبہ کو اللہ کی مرضی کے حوالہ کر دیا ہے تو پھر وہ
 یہ کیوں بھول جاتا ہے؟ کہ ”جھوٹ“ سے اُسی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ یہ تو اس کی
 مرضی اور اس کے حکم کا مذاق ہوا۔ لہذا..... جس سچائی اور اخلاص کے ساتھ اُس نے اپنا کھانا
 پینا خدا کے لئے چھوڑا ہے اسی سچائی اور نیک نیتی کے ساتھ جھوٹ سے بھی باز آ جائے۔
 یہاں جھوٹ کا دو مفہوم ہو سکتا ہے:-

ایک..... تو یہ کہ روزہ کی حالت میں نہ تو جھوٹ بولے اور نہ جھوٹا کام کرے۔
 دوسرا..... یہ کہ آئندہ اور موجودہ زندگی میں وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کا یہ
 دعویٰ باطل ہو جائے کہ وہ خدا کے حکم کے احترام میں اپنا کھانا پینا چھوڑ چکا ہے۔ یہ دعویٰ اس وقت
 سچا ہوگا جب کہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا کے حکم کا احترام کرتا ہوا نظر آئے۔ اگر ایسا نہ ہو سکا
 تو روزہ دار کا کھانا پینا ترک کر دینے کے اس کھوکھلے اور جھوٹے جوش کی خدا کو کوئی ضرورت نہیں۔
 یہی وجہ ہے کہ مذہب نے روزہ دار کو صرف جھوٹ بولنے کی حد تک نہیں روکا ہے۔ بلکہ
 لڑنے جھگڑنے اور بیہودہ باتوں سے بھی بچنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت کردہ
 ایک حدیث کا یہ حصہ ہمیں بتاتا ہے کہ:

”جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو وہ گالی گلوں نہ کرے اور نہ
 ہڈیاں کبے۔ اگر کوئی گالی دے یا اس سے لڑے بھی تو کہہ دینا چاہئے
 کہ میں روزہ سے ہوں۔“ [بخاری: ۲۰۳۲، مسلم: ۲۰۸۰۷]

یہ روزہ کا خاص عطیہ ہے کہ روزہ دار کو بھوکا پیاسا رکھ کر اس کی ذہن سازی کرتا ہے کہ بھوکوں اور پیاسوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ یہ روزہ دل کی کال کوٹھری میں سوز و ساز اور صبر و ضبط کی شمع روشن کرتا ہے۔ روزہ دار اس حد تک ایمان لے آتا ہے کہ اس کا کھانا پینا خدا کی مرضی کے بغیر نہیں ہوگا۔ روزہ غذا کے اس مطالبہ کی ناکہ بندی کر دیتا ہے جو نفس کو ورغلا کر شقاوت قلبی کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ یہی روزہ کا مقصد ہے۔ جب تک روزہ دار ان احساسات و جذبات کے ساتھ روزہ نہ ادا کرے گا اُسے پریشانی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور نہ وہ روزہ کی حقیقی روح تک کبھی پہنچ پائے گا۔ جیسا کہ داری کی ایک روایت میں بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ:

”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”کتنے روزہ دار ایسے ہیں

جنہیں اپنے روزہ سے پیاس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور کتنے

عابد شب زندہ دار ایسے ہیں جنہیں بیداری کے سوا کچھ نصیب نہیں

ہوتا۔“ [مشکوٰۃ: ۱/۶۲۶]

جنسی آسودگی کا مطالبہ

یہ مطالبہ بھی بے حد خطرناک مطالبہ ہے۔ جس نے اس مطالبہ کی صحیح وقت پر مناسب روک تھام نہ کی وہ کس بھیانک راستہ پر نکل پڑے؟ کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ یہ مطالبہ جب تک اپنی حد کے اندر ہے تو ہے، جیسے ہی یہ اپنی حد چھوڑتا ہے ایک ہی جہت میں بہت دور نکل جاتا ہے۔ جہاں سے واپس آنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ خیر سے واپس آیا بھی تو اس کا دامن حیات قسم قسم کے بد نما دھبوں سے سجا ہوتا ہے۔ جو آنسوؤں کے سمندر میں نہانے سے بھی نہیں دھل پاتا۔ یہ بھیانک مطالبہ انسان کو کبھی اوباش بناتا ہے۔ کبھی ہم جنسوں کی زندگی پلید کر دیتا ہے۔ کبھی صراحتی و پیالہ کا شریک حیات بناتا ہے۔ کبھی آنغوش شباب میں حسن کی چادر اوڑھا کر سلا دیتا ہے۔ جنسی آسودگی کا مارا شخص اپنے اس مطالبہ کی تسکین کی خاطر جان تک لڑا دیتا ہے۔ قتل و غارت گری اس کے لئے معمولی کام ہو جاتے ہیں۔

لھذا.....جنسی آسودگی کا یہ خطرناک مطالبہ جب اپنی حد سے بڑھنے لگے تو اسے حد میں رکھنا اور اپنے بس میں کرنا نہایت ضروری ہے اور اس کے دو راستے ہیں: ایک نکاح اور دوسرا روزہ۔

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

”اے جوانوں کی جماعت! تم میں سے جس کے پاس گھر ہو سکے وہ شادی کر لے کیوں کہ یہ آنکھ کا پردہ اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اور جس سے گھر کا انتظام نہ ہو سکے وہ روزہ رکھے کیوں کہ (یہ روزہ) اُس (شادی) کا توڑ ہے۔“ [بخاری: ۳۵۵، مسلم: ۱۰۱۸]

ماہ رمضان کے روزے ہر اس شخص کے حق میں بڑے ہی مفید اور کارآمد ہیں، جس کے اندر جنسی آسودگی کا مطالبہ پیدا ہو چکا ہو۔ اس سے پہلے کہ یہ مطالبہ اپنی حد سے آگے بڑھے، پروردگار عالم نے کتنا معقول اور ٹھوس انتظام فرمادیا ہے کہ ہر سال پورے ایک ماہ تک اس مطالبہ پر ایک ایسی بندش قائم ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے شب و روز کے نصف سے زیادہ حصہ تک اس مطالبہ کے خطرناک حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔ پورے ایک ماہ کی اس مشق کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کے اندر برداشت اور ضبط کی ایک ایسی زبردست قوت مہیا ہو جائے کہ سال کے کسی لمحہ میں بھی جنسی آسودگی کا مطالبہ اس پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ اور اگر ہو جائے تو اُس قوت کے آگے اُسے منہ کی کھانی پڑے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جنسی جذبہ صرف جماع کا مطالبہ نہیں کرتا، بلکہ یہ تو جنسی آسودگی کا آخری ٹھکانہ ہے۔ اس کی ابتدا تو تصور، خیال اور یاد کے مرحلوں سے ہے۔ ان مرحلوں کے بعد جتنے مرحلے آتے ہیں سب اتنے خطرناک اور مہلک ہیں کہ مذہب نے ان تمام کو زنا کی فہرست شامل کر لیا ہے۔ چنانچہ مختلف حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:-

”مکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کی زنا نظر ہے، ہاتھ زنا کرتے

ہیں اور ان کا زنا دھڑ پکڑ ہے، پاؤں زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا اس راہ

میں چلنا ہے، زبان کا زنا بات چیت ہے، کانوں کا زنا سننا ہے،

ہونٹوں کا زنا بوسہ ہے اور دل کا زنا تمنا اور خواہش ہے اور عضو مخصوص ان سب باتوں کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب۔“

[بخاری: ۲۰۴۶-۲۰۴۷، ابوداؤد: ۲۴۶۰-۲۴۶۱]

چوں کہ جنسی آسودگی کے اتنے سارے مطالبات ہیں، اس لئے روزہ کی حقیقت نے ایک روزہ دار کو ان سارے مطالبات سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا حوصلہ بھی بخشا ہے کہ روزہ کو یہ مت سمجھ لینا کہ یہ صرف کھانے پینے اور جماع سے باز رہنے کا نام ہے، بلکہ ہر متحرک عضو کو روزہ دار ہونا چاہئے۔ آنکھوں کا روزہ یہ ہے کہ نظر کے زنا سے باز رہے، ہاتھوں کا روزہ یہ ہے کہ دھر پکڑ کے زنا سے پرہیز کرے، پاؤں کا روزہ یہ ہے کہ زنا کی راہ میں دوڑ دھوپ کرنے سے گریز اختیار کرے، زبان اور کان کا روزہ یہ ہے کہ جنسیات پر مبنی گفت شنید سے بچا رہے۔ ہونٹوں کا روزہ یہ ہے کہ بوسہ گیری سے گھن کھائے، دل کا روزہ یہ ہے کہ زنا کی خواہش اور تمنا کو لات مار دے۔

جس شادی شدہ جوڑے کو اپنے نفس پر اتنا اعتماد ہو کہ انزال کی نوبت نہیں آ سکتی تو حالت روزہ میں اگر چہ انھیں بوس و کنار کی اجازت ہے مگر پھر بھی روزہ کی روح تقاضہ کرتی ہے کہ جب نفس کا ضبط ٹوٹا تو بوس و کنار کی طبیعت ابھر آئی، جب کہ اس طبیعت پر بھی نفس کا ضبط برقرار رہنا چاہئے تھا۔ جب اس مقام پر نفس کا ضبط ٹوٹ سکتا ہے تو انزال کی نوبت تک پہنچنے اور ہمبستری کی بندش پھلانگنے میں کیا رکاوٹ آ سکتی ہے؟ جیسا کہ عہد رسالت میں ایک صحابی رسول ﷺ نے حالت روزہ میں اپنی بیوی سے ہمبستری کر لی تھی۔ [بخاری: ۲۴۸۱، ابوداؤد: ۲۴۸۳]

جب اُس پاکیزہ دور میں صحابی رسول کے ساتھ یہ حادثہ پیش آ سکتا ہے تو آج کے اس پر اگندہ ماحول میں تحفظ کی کیا امید کی جاسکتی ہے؟ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور میں بھی ایک جوان شخص کو روزہ کی حالت میں مباشرت (بوس و کنار) کی رخصت نہیں دی۔ [ابوداؤد: ۲۴۸۳]

گویا روزہ ان ”داعیوں“ سے بھی بچنے کی تلقین کرتا ہے جو انزال کی حد تک جذبات کو براہِ بیخوشہ کر دیں۔ ظاہر ہے کہ جب روزہ دار اس حد تک اپنے جذبات پر قابو پالے اور پورے ایک ماہ تک اس کی یہ کوشش جاری رہے تو اس کی آئندہ کی زندگی پر ان کوششوں کے اثرات ضرور مرتب ہوں گے۔

لہذا..... جب ایک روزہ دار، روزہ کے تمام حقوق ادا کر لینے کے بعد جنسی آسودگی کے مطالبہ پر قابو پالے گا تو وہ جنسی بے راہ روی کی بنیاد پر پیدا ہونے والے تمام فتنہ و فساد اور شر و خرافات سے محفوظ ہو جائے گا۔ ان شاء المولیٰ العزیز۔

آرام کا مطالبہ

یہ مطالبہ جب تک معتدل ہے تو ٹھیک ہے، جہاں اس نے حدِ اعتدال سے ایک قدم بھی آگے بڑھایا، وہیں اس کا اضطرابی دور شروع ہوا۔

ایک انسان اپنے دل و دماغ سے اپنے عیش و آرام کا ایک مخصوص قانون شب و روز مرتب کرتا ہے اور وہ اسی قانون کی پیروی کرتا ہوا اپنی گزربسر کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے ”میری زندگی بڑے سکون اور آرام سے کٹ رہی ہے“۔ حالاں کہ اس کے ارد گرد الجھنوں اور پریشانیوں کا ایسا گھنا جال بن رہا ہوتا ہے جس کی اسے مطلق خبر نہیں ہوتی۔ اور جب ایک دن وہ اپنے بچھائے ہوئے اُس جال میں آکر پھنس چکا ہوتا ہے تب اسے یقین آتا ہے کہ آرام پسندی اور عیش کوشی کا پھل کیسا تلخ ہوتا ہے؟!

- آرام پسندی قوتِ عمل کو سر د کرتی ہے۔
 - مزاج میں آمریت اور نخوت بھر دیتی ہے۔
 - جو اس آرام میں خلل انداز ہوگا اس کے خلاف آتشِ غضب بھڑکاتی ہے۔
 - اس کے لئے جھوٹ اور منافقت کا ہتھیار فراہم کراتی ہے۔
- ظاہر ہے کہ ایک آرام پسند شخص میں جب یہ صفات پیدا ہو جائیں گے تو وہ کتنا غیر مذہبی ہوگا؟ سوچنے سے تعلق رکھتا ہے۔

روزہ..... انسان کی اسی آرام پسندی کو ختم کرتا ہے اور مذہب کی روح سے آشنا کراتا ہے۔

روزہ..... انسان کے بنائے ہوئے قانونِ آرام کا شیرازہ کھیر کر رات کی پچھلی گھڑی میں بیدار ہونے کا پابند بناتا ہے اور طبیعت کے خلاف اسے سحری کھانے کا حکم دیتا ہے۔

اور ایسا نہیں کہ سحری کے بعد بستر پکڑ لیجئے، بلکہ فجر کی دو گنا ادا کرنے تک توقف کراتا ہے۔ پھر دن بھر بھوکا پیاسا رکھتا ہے، ساتھ ساتھ تلاوت قرآن اور نفل عبادت کی یہ کہہ کر ترغیب دلاتا ہے کہ ان دنوں میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے، تاکہ لوگ مزید آرام کو بھول جائیں اور عبادتوں میں منہمک رہیں۔ پھر غروب آفتاب کے بعد افطار کی اجازت دیتا ہے۔ یہ بھی نہیں کہ دن بھر کی بھوک پیاس سے نڈھال ہو کر خرگوش کی نیند سو جائیں۔ بلکہ عام دنوں سے بڑھ کر رات میں عبادت (تراویح پڑھنے) کا حکم دیتا ہے۔ اب بھی اس تھکے ہارے روزہ دار کو اجازت نہیں کہ صبح تک مدہوش پڑا سو تارہے۔ بلکہ پھر وہ رات کی آخری گھڑی میں سحری کے لئے بیدار ہو جائے اور یہ ایک دن کی بات نہیں، بلکہ پورے ایک مہینہ کی مشقت ہے۔

شب و روز کی اس محنت سے آرام پسندی کی روح مرجاتی ہے۔ روزہ انسان کو محنتی بناتا ہے، ہمتیں بخشتا ہے۔ جوش مشقت سے سرفراز فرماتا ہے عملی میدان میں سرگرم کر دیتا ہے۔ عبادت کا ذوق بڑھاتا ہے اور بندگی کی قوت عطا کرتا ہے۔

روزہ..... جب آرام پسندی اور عیش کو شکیں کے تمام جذبات کو معتدل کر دیتا ہے تو اس سے پیدا ہونے والے نتیجوں سے حفاظت کا بھی ضامن ہوگا۔

ایک بار پھر ان تینوں مطالبوں کا نازانہ جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ:-
..... غذا کے مطالبہ کو اس کی حد میں کر لینے کے بعد انسان معاشی فساد اور معاشرتی فتنہ میں نہیں پڑتا۔

..... جنسی آسودگی کے مطالبہ پر قابو پا لینے کے بعد انسان جنسی بے راہ روی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

..... آرام کے مطالبہ کو معتدل بنا لینے کے بعد انسان اخلاقی بد عملیوں سے بچا رہتا ہے۔

اب ذرا اس کے بعد اس روزہ دار شخص کو دیکھو تو وہ متقی اور پرہیزگار نظر آئے گا۔ گویا اس نے روزہ کے مقصد کو پالیا۔ وہ روزہ کی روح سے آشنا ہو گیا اور اسے روزہ کی حقیقت تک باریابی کا شرف مل گیا۔

ایک روزہ دار تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیور سے آراستہ ہو گیا یہی روزہ کی حقیقت ہے۔
 یہی روزہ کی مقصدیت ہے اور یہی روزہ کا فلسفہ ہے۔ اور یہی قرآن کا پیغام ہے:
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ
 مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ [بقرہ: ۱۸۳]
 [(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے
 پہلے کی امتوں پر فرض تھے، تاکہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔)]

مَقَاتِلُ

ارشاد جمال